دینیات

برائے

جماعت ہفتم





بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ، کوئٹہ

دینیات

برائے

جماعت ہفتم



محمدی پبلشنگ کمپنی : موتی رام روڈ کوئٹہ

برائے

بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ ، کوئٹہ

تیار کردہ، وفاقی وزارتِ تعلیم حکومتِ پاکستان
بمطابق نوٹیفکیشن نمبر F 5-11-74 TEXT مورخہ 15 جنوری 1975ء
منظور شدہ: محکمۂ تعلیم حکومتِ بلوچستان کوئٹہ، بطورِ واحد نصابی کتاب برائے مدارس صوبہ بلوچستان
بمطابق نوٹیفکیشن نمبر
EDN - II/9356-58 10-1/76 مورخہ 6 اکتوبر 1976

مصنّفین:
پروفیسر احمد محمدؐ قاضی
مولینا شبیہ الحسنین محمدی

نظرثانی:
مولینا سید ابنِ حسن نجفی
ڈاکٹر مجیب الرحمٰن قاضی
مولینا محمد ضیاء القاسمی
مولینا عبد القادر آزاد
محترمہ مسز آمینہ ہالے پوتا
پروفیسر محمد اسحاق جلالپوری

نگران طباعت: محب حسین قریشی

پرنٹر: قلات پریس کوئٹہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

حکومتِ پاکستان نے قومی تعلیمی پالیسی مرتّب کر کے جو مدبّرانہ فیصلہ کیا، اُس کے مطابق اسلامیات/دینیات کے نصاب اور مقاصد کے تعیّن کی غرض سے عُلمائے کرام اور ماہرینِ تعلیم کے کئی مشترکہ اجلاس اسلام آباد میں منعقد ہُوئے۔ غور و خوض اور بحث وتمحیص کے بعد طے یہ پایا کہ نصاب میں اِس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جائے کہ اِس سے طلبہ میں اسلامی جذبہ اُبھرے۔ اللہ و رسُولؐ کی محبّت پیدا ہو۔ اسلامی سیرت کی تشکیل میں مدد ملے اور وطنِ عزیز سے اُلفت پیدا ہو اور فرض شناسی اور انسان دوستی پر مبنی ایسا معاشرہ تشکیل پائے جس پر ہم فخر کر سکیں۔

اِس کتاب کی تالیف میں آسان زبان اور بچّوں کی نفسیات کو ملحوظ رکھنے کے علاوہ مذکورہ بالا مقاصد کو خصوصیّت سے اہمیت دی گئی ہے۔

نصاب و فہرست مضامین

زبانی یاد کرنے کے لیے

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝١ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝٢ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝٣ وَالَّيْلِ
اِذَا يَغْشٰىهَا ۝٤ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝٥ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۝٦ وَنَفْسٍ وَّمَا
سَوّٰىهَا ۝٧ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝٨ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝٩ وَقَدْ خَابَ
مَنْ دَسّٰىهَا ۝١٠ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَا ۝١١ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝١٢ فَقَالَ لَهُمْ
رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝١٣ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ
رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝١٤ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝١٥

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْقَارِعَةُ ۝١ مَا الْقَارِعَةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝٣ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ
كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝٤ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝٥ فَاَمَّا مَنْ
ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٦ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝٧ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٨
فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝٩ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝١٠ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝١١

اٰيَةُ الْكُرْسِيّ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج
اللہ، وہ ہے کہ کوئی معبود اُس کے سوا نہیں۔

اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ج
وُہ زندہ ہے سب کا سنبھالنے والا ہے۔

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ط
اُسے نہ اُونگھ آسکتی ہے نہ نیند۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط
اُسی کی مِلک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط
کون ایسا ہے جو اُس کے سامنے بغیر اُس کی اجازت کے سفارش کرے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ج
وہ جانتا ہے جو کچھ مخلوقات کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اس سب کو۔

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ
اور وُہ اُس کے معلومات میں سے کسی چیز کو بھی گھیر نہیں سکتے۔

اِلَّا بِمَا شَآءَ ج
سوا اِس کے کہ جتنا وہ خود چاہے۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ج
اُسی کی کُرسی نے سما رکھا ہے آسمانوں اور زمین کو۔

وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ج
اُس پر اُن کی نگرانی ذرا بھی گراں نہیں۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝
اور وہ عالی شان ہے، عظیم الشان ہے۔

سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿١﴾
بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ط ﴿٢﴾
اور تمھیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے۔

لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ط ﴿٣﴾
شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ ۴ معانقة عند المتأخرين

اِس میں رُوح (الامین) اور فرشتے ہر کام کے لیے اپنے پروردگار کے حکم سے اُترتے ہیں۔

سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ ۵ ع

یہ رات طلوعِ صبح تک امان اور سلامتی ہے۔

سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شرُوع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ ۱

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ ۲

کیا اُن کا داؤ غلط نہیں کیا۔

وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ ۳

اور اُن پر جھُنڈ کے جھُنڈ پرندے بھیجے۔

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ ۴

جو اُن پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے۔

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝ ۵ ع

تو اُن کو ایسا کر دیا جیسے کھایا ہُوا بھُس۔

سُوْرَةُ الْقُرَيْشِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شرُوع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝ ۱ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝ ۲

قریش کو مانوس کرنے کے سبب (یعنی) اُن کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ ۳

لوگوں کو چاہیے کہ (اس نعمت کے شکر میں) اُس گھر کے مالک کی عبادت کریں۔

الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ۬ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ ۴ ع

جس نے اُن کو بھُوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے اَمن بخشا۔

دُعا کی فضیلت اور اہمیّت

۱۔ دُعا پُکارنے یا مانگنے کو کہتے ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی مصیبت دُور کرنے اور حاجتیں پُوری کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو پکارا جائے۔

۲۔ بچّے کو جب کوئی تکلیف ہوتی ہے تو وہ ماں کو پکارتا ہے، جب بھُوک لگتی ہے تو ماں سے کہتا ہے۔ جب کوئی حاجت یا ضرورت پیش آتی ہے تو ماں سے ہی سوال کرتا ہے۔ اس لیے کہ اُسے یقین ہے کہ ماں ہی اُسے پُورا کرے گی اور ماں سے زیادہ اُس کا کوئی ہمدرد اور محبّت کرنے والا نہیں۔

۳۔ ماں بچّے کی ہر بات کو پُورا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن بے سمجھ بچّہ اگر کوئی ایسی چیز مانگ بیٹھے جو اُس کے لیے فائدہ مند نہ ہو یا وہ چیز اس کے لیے خطرناک ہو تو ماں وہ چیز اُسے نہیں دیتی۔

۴۔ دُوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ جب ماں اپنے بچّے کو کسی دُکھ درد میں دیکھتی ہے تو بے چین ہو جاتی ہے۔ بڑی توجّہ سے اُس کا علاج کرتی ہے۔ صحت کی حالت میں وہ چاہتی ہے کہ اُس کے بچّے کو اچھی خوراک ملے۔ وہ اچھے اچھے کپڑے پہنے، اُسے تندرُست و توانا دیکھ کر خوش ہوتی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہے۔ اُس کی تمنّا یہ ہوتی ہے کہ اُس کا بچّہ بڑا ہو کر خُوب علم حاصل کرکے کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دے۔ لوگ اُس کا کام دیکھ کر اُس کی تعریف کریں۔ عزّت پائے۔ بڑے رُتبے پر پہنچے، بُرائیوں سے بچا رہے، غریبوں کی مدد کرے، کمزوروں اور عاجزوں پر رحم کرے۔ اللہ کا نیک بندہ بن کر دُنیا میں رہے۔

بس اسی مثال سے اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ شان سمجھ لیجیے۔ ماں نے اپنے بچّے کو بنایا نہیں، اور نہ ہی اُس نے پیدا کیا۔ اس بچّے کو بنانے والا اور دُنیا میں پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور بچّے کا اصل مالک وہی ہے۔ اُسی نے ماں کو بچہ عطا کیا ہے اور اُسی نے پرورش کے لیے ماں کے دِل میں بچّے کی محبّت ڈال دی ہے۔ اگر وہ اُس کے دل میں محبّت نہ ڈالتا تو ماں بے پروا رہتی اور بچّے کی پرورش نہ ہو سکتی۔

غور کیجیے، جب ماں کو ہم سے اِتنی محبّت ہے تو ہمیں بنانے والے اور پیدا کرنے والے مالک کو ہم سے کِتنی محبت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے ماں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ محبّت ہے۔ اِس لیے وہ ہماری بھلائی ہی بھلائی چاہتا ہے۔ اُس نے ہمیں بے شمار نعمتیں بخشی ہیں۔ اِن نعمتوں کے باوجود وہ اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ مجھے پکارو، مجھی سے مانگو، مجھی سے دُعا کرو۔ میں تمھاری دعاؤں کو قبول کرتا ہوں۔

جب کوئی حاجت مند اللہ تعالیٰ کے حضُور دُعا کرتا ہے، اُس کے سامنے حاجت پیش کرتا ہے یا اپنا دُکھ درد بیان کرتا ہے اور سلامتی اور سکون مانگتا ہے تو اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا حاجت روا، اپنا آقا مان لیا ہے۔ اِس لیے دُعا کو عبادت کی جان کہا گیا ہے۔

اِس بیان سے ایک خاص بات معلوم ہوتی ہے۔ دُعا کی بنیاد اِس ایمان پر ہے، کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق ہے۔ ہر چیز کا مالک ہے۔ وہ ہماری حاجتوں اور ضرورتوں سے خُوب واقف ہے۔ زمین و آسمان کے سارے خزانے اُسی کے قبضے میں ہیں اور اس میں سے جو چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کے بارے میں اِن باتوں کا کسی کو یقین ہو اور اِس یقین کی بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کو پکارے، تو اُس کی مُراد پُوری ہوگی، لیکن اگر اُسے مُنہ مانگی مراد نہیں ملتی تو اِس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مَصلحت ہوتی ہے جسے مانگنے والا نہیں جانتا۔

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نماز کے بعد اور دُوسرے اوقات میں کثرت سے دُعائیں مانگا کرتے تھے جو حدیث کی کتابوں میں درج ہیں۔

سیرت النبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

صُلحِ حدیبیہ

جب غزوۂ خندق میں مشرکینِ مکّہ اور اُن کے ساتھی یہودیوں کو سخت ناکامی ہُوئی اور نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ایک حد تک آرام نصیب ہُوا تو آپؐ نے عُمرہ کرنے کی خاطر مکّہ مکرّمہ جانے کا ارادہ فرمایا۔ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے بے تاب تھے۔ ۶۔ہجری، دسویں ذی قعدہ کو چودہ سَو صحابہ کرامؓ کے ساتھ آپؐ مدینہ منوّرہ سے روانہ ہُوئے۔ جب آپؐ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے جو مکّہ سے تقریباً اٹھارہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے تو اِطّلاع ملی کہ مشرکینِ مکّہ جنگ کے بغیر مکّہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ آپؐ نے وہیں قیام فرمایا اور حضرت عثمان غنیؓ کو اپنا سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا تاکہ اُن کے ساتھ بات چیت کریں اور مُسلمانوں کے آنے کا مقصد بیان کریں۔ قریشِ مکّہ نے حضرت عُثمان غنیؓ کو نظر بند کر لیا۔ ادھر یہ خبر مشہُور ہو گئی کہ حضرت عُثمان غنیؓ شہید کر دیے گئے۔ حضورؐ نے جب یہ خبر سُنی تو فرمایا کہ عثمان غنیؓ کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے۔ آپؐ یہ فرما کر ببول کے درخت کے نیچے بَیٹھ گئے اور صحابہ کرامؓ سے جاں نثاری کی بَیعت لی۔ اس بَیعت کا ذِکر قرآنِ کریم میں بھی آیا ہے۔ اس کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔ یعنی وہ بیعت جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی اور رضا کا اظہار کیا۔ مسلمانوں کے اِس جوش و خروش کا یہ اثر ہُوا کہ قریش ہمّت ہار گئے اور اُنھوں نے بھی اپنا ایک قاصد حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے پاس بھیجا۔ باہمی گفت و شنید کے بعد صُلح ہو گئی۔ اِس صُلح کے نتیجے میں قریش نے حضرت عثمانؓ کو رہا کر دیا۔ صُلح کی خاص خاص شرطیں یہ تھیں:-

۱۔ اِس دفعہ مُسلمان واپس چلے جائیں گے اور اگلے سال بیتُ اللہ کی زیارت کے لیے آئیں گے۔

۲۔ مکّہ مکرّمہ میں جو مُسلمان اِس وقت مقیم ہیں، اُن میں سے کسی کو بھی حضورؐ اپنے ساتھ مدینہ منوّرہ نہیں لے جائیں گے اور مسلمانوں میں سے جو مکّہ میں رہنا چاہتے ہیں، اُن

کو نہ روکیں گے۔

۳۔ کافروں میں سے اگر کوئی مسلمان ہوکر مدینہ چلا جائے تو اُسے واپس کر دیا جائے گا۔

۴۔ اگر کوئی مسلمان مدینہ منوّرہ سے مکّہ معظمہ چلا جائے تو اُسے واپس نہ کیا جائے گا۔

۵۔ عرب قبیلوں کو یہ حق ہوگا کہ جس فریق کے ساتھ چاہیں مل جائیں۔

۶۔ دونوں فریقوں میں دس سال تک جنگ نہیں ہوگی۔

یہ شرطیں بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں مگر ان سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ یہ ہُوا کہ اسلام پھیلانے کی آزادی مل گئی۔ کافروں کو اسلام کی باتیں سُننے اور غور کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ دو ہی سال کے اندر مکّہ کے ہر گھر میں اسلام پہنچ گیا اور بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے۔ حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت خالدؓ بن ولید بھی اسی زمانے میں اسلام لائے۔ اِس معاہدے کی بنا پر آنحضرتؐ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ اگلے سال آکر مکّہ مکرّمہ میں عُمرہ ادا کیا۔ صُلح حدیبیہ کے فوراً بعد سُورۃ الفتح نازل ہُوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مبین کی خُوش خبری سُنائی۔

فرمان رواؤں کو دعوتِ اسلام (۱)

صُلح حدیبیہ کے بعد حضورؐ کو کسی قدر اطمینان مِلا تو وقت آیا کہ اسلام کا پیغام تمام دُنیا میں رہنے والوں کے کانوں تک پہنچایا جائے۔ حضور اکرمؐ نے تمام صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور فرمایا۔ "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے ساری دُنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ میں کُل انسانوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کا ذِمّہ دار ہوں۔ تم لوگ یہ پیغام لے کر، جہاں جہاں میں تمھیں بھیجوں، جاؤ۔ مگر یاد رکھو کہ آپس میں یک دِل ہوکر رہنا۔ (اِسی اتّحاد اور ایک ہونے میں تمھاری کامیابی کا راز ہے)"۔

اِس کے بعد حضورؐ نے مُختلف بادشاہوں اور قبیلوں کے رئیسوں کے نام خطُوط بھیجے۔ اِسلام کی دعوت کا پہلا خط روم کے بادشاہ کے نام بھیجا گیا جو قیصر کہلاتا تھا۔ حضرت وحیہؓ کلبی خط لے کر قیصرِ روم کے پاس پہنچے۔ جب قیصر نے حضورؐ کا خط مُبارک پڑھا تو اپنے خادموں کو حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص تمھیں مِل جائے تو اُسے میرے پاس لے آؤ۔ اس پر خادم کئی عربوں

کوئے آئے جو مکّہ سے تجارت کے لیے روم آئے تھے۔ ان میں ابوسفیان بھی تھا۔ قیصر نے اُن لوگوں سے پُوچھا کہ نبوّت کا دعوٰی کرنے والے مُحمّد (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کا تم میں رشتہ دار کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا۔ "میں ہُوں"۔ اس کے بعد دونوں میں یہ بات چیت ہُوئی۔

قیصر : محمّد (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان : شریف ہے۔

قیصر : کیا آپؐ کے خاندان میں کسی اور نے بھی نبوّت کا دعوٰی کیا تھا؟

ابوسفیان : نہیں۔

قیصر : اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزُرا ہے؟

ابوسفیان : کبھی نہیں۔

قیصر : جن لوگوں نے آپؐ کا دین قبول کیا وہ لوگ امیر ہیں یا غریب؟

ابوسفیان : غریب لوگ ہیں۔

قیصر : آپؐ کے ماننے والے گھٹ رہے ہیں یا بڑھ رہے ہیں؟

ابوسفیان : بڑھ رہے ہیں۔

قیصر : کبھیں تم لوگوں سے آپؐ نے جھُوٹ بھی بولا ہے؟

ابوسفیان : نہیں، بلکہ ہمارے علاقے میں آپؐ صادق (سچّا)، اور امین (امانتیں رکھنے والا) مشہُور ہیں۔

قیصر : آپؐ کبھی اپنے وعدے یا اقرار سے پھرے ہیں؟

ابوسفیان : نہیں، ایسا کبھی نہیں ہُوا۔ حال ہی میں آپؐ سے ہمارا معاہدۂ صُلح (صُلح حدیبیہ) ہُوا ہے۔ دیکھیں آپؐ اس پر قائم رہتے ہیں یا نہیں۔

قیصر : تمُ لوگوں نے آپؐ سے کبھی جنگ بھی کی ہے؟

ابوسفیان : ہاں۔

قیصر : نتیجہ کیا رہا؟

ابوسفیان : کبھی ہم غالب آئے اور کبھی آپؐ۔

قیصر : آپؐ کی تعلیمات کیا ہیں؟

ابوسفیان : کہتے ہیں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اُس کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو،

سچ بولو، عام انسانوں اور رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرو اور نیکی کے راستے پر چلو۔
یہ سُن کر اُس سے قیصر نے کہا، "تم کہتے ہو کہ آپؐ شریف خاندان میں سے ہیں۔ نبی ہمیشہ شریف خاندان ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔ تم کہتے ہو کہ آپؐ کے خاندان میں پہلے نبوت کا دعویٰ کسی نے نہیں کیا اور نہ اُن میں کوئی بادشاہ گزرا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم سمجھتے کہ یہ خاندانی وقار کا اثر ہے۔ تم نے کہا کہ آپؐ جھوٹ نہیں بولتے۔ جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے۔ تم نے بتایا کہ غریب لوگ آپؐ کے ماننے والے ہیں پیغمبروں پر سب سے پہلے غریب ہی ایمان لایا کرتے ہیں۔ تم مانتے ہو کہ آپؐ کے دین کے پیرو بڑھتے جا رہے ہیں۔ سچے دین کا یہی حال ہوتا ہے۔ تم قبول کرتے ہو کہ آپؐ کبھی اپنے وعدے یا اقرار سے نہیں پھرتے۔ سچا نبی ایسا ہی ہوتا ہے۔ تم نے اقرار کیا کہ آپؐ نماز اور نیکی کی ہدایت کرتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو ایک نہ ایک دن میرے پایۂ تخت تک آپؐ کا قبضہ ہو جائے گا۔" یہ باتیں سُن کر مشرکین بہت تلملائے اور اُٹھ کر چلے گئے۔ دربار میں اور بھی جتنے لوگ تھے، اُنھیں بھی قیصر پر بہت غصہ آیا۔ اس لیے قیصر نے کھُل کر اسلام کا اعلان نہ کیا۔

فرمان رواؤں کو دعوتِ اسلام (۲)

دُوسرا خط حضورؐ نے ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کے نام بھیجا۔ خسرو بڑی شان و شوکت کا بادشاہ تھا۔ اُس کے زمانے میں ایران کے دربار کو جو رُعب و دبدبہ حاصل ہُوا وہ پہلے کبھی حاصل نہیں ہُوا تھا۔ ایرانیوں کا دستور تھا کہ بادشاہوں کو جو خط لکھے جاتے تھے، اُن میں سب سے اُوپر بادشاہ کا نام ہوتا تھا۔ خسرو نے جب حضورؐ کا خط کھولا تو اُس میں سب سے اُوپر اللہ تبارک و تعالیٰ اور اُس کے نیچے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کا نام مبارک نظر آیا۔ یہ دیکھ کر خسرو کو سخت غصہ آیا اور اُس نے حضور اکرمؐ کے نامۂ مبارک کو چاک کر دیا۔ لیکن چند روز کے بعد اُس کے بیٹے شیرویہ نے اُسے قتل کر دیا اور اُس کی حکومت کے پُرزے بھی اُڑ گئے۔
تیسرا خط حبش (ایتھوپیا) کے بادشاہ نجاشی کے نام لکھا گیا۔ حبش میں حضرت

علی مرتضیٰؓ کے بڑے بھائی حضرت جعفرؓ بہت پہلے سے موجود تھے۔ (انھیں اور چند دُوسرے صحابیوںؓ کو حضورؐ نے اب سے بہت پہلے مشرکینِ مکّہ کی ایذا رسانی سے بچنے کے لیے حبش کی جانب ہجرت کا حکم دیا تھا اور یہ اصحابؓ تب ہی سے حبش میں تھے۔ نجاشی کو جب حضور اکرمؐ کا نامۂ مبارک ملا تو اُس نے حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر بیعتِ اسلام کی اور آنحضرتؐ کو جواب میں لکھا کہ میں تہِ دِل سے گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے سچّے نبی اور رسُول ہیں۔

چوتھا خط مصر کے بادشاہ کو بھیجا گیا جس کا نام مقُوقس تھا۔ اُس نے آپؐ کے قاصد کا بے حد احترام کیا اور آپؐ کی خدمت میں کچھ تحفے بھیجے۔ لیکن اُس نے اپنی قوم کے ڈر اور حکومت کے لالچ کی وجہ سے اسلام قبول نہ کیا۔

چند خطوط عرب کے رئیسوں کے نام لکھے گئے جن کے مختلف جواب آئے۔ اُن میں سے ایک رئیس نے یہ جواب دیا، "آپؐ جو باتیں فرماتے ہیں وہ نہایت ہی اچھی ہیں، لیکن اگر حکومت میں کچھ میرا بھی حصّہ ہو تو میں ایمان لانے کے لیے تیار ہوں"۔ بھلا ایسے لالچی انسان کی طرف حضور اکرمؐ کیا توجّہ فرماتے۔

ایک خط قبیلۂ غسان کے مشہور رئیس حارث کے نام بھیجا گیا جو آس پاس کے عربوں پر حکومت کرتا تھا اور حکومتِ روم کے ماتحت تھا۔ وہ حضورؐ کے نامۂ مبارک کو پڑھ کر بہت برہم ہوا اور اپنی فوج کو مسلمانوں پر حملے کے لیے تیار رہنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ اس کے بعد مسلمانوں کو ہر وقت اس حملے کا خطرہ رہتا تھا۔ اسی کے نتیجے میں غزوۂ تبوک پیش آیا۔

فتحِ خیبر

مدینہ منورہ سے کوئی تین سَو بائیس کلومیٹر کے فاصلے پر یہودی نہایت مضبُوط قلعے بنا کر رہتے تھے۔ عبرانی زبان میں قلعے کو خیبر کہتے ہیں۔ اِس لیے یہ پُورا علاقہ خیبر کے نام سے مشہُور ہے۔ خیبر کے باشندوں میں ایک قبیلہ بنو نُضیر تھا جو مدینہ منورہ چھوڑ کر یہاں آباد ہوگیا تھا۔ یہ یہودی مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ بنو نُضیر نے اپنی حرکتیں

یہاں بھی نہ چھوڑیں۔ آس پاس کے قبیلوں سے ساز باز کرکے مدینہ منورہ پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب حضورؐ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کو ان کے ناپاک ارادوں کا علم ہُوا تو آپؐ نے مسلمانوں کو جہاد کے لیے تیاری کا حکم دے دیا۔

آپؐ نے اپنے لشکر کے لیے تین عَلَم (جھنڈے) تیار کرائے جن میں ایک عَلَم حضرت خبابؓ بن منذر کو، دُوسرا سعدؓ بن عبادہ کو اور تیسرا عَلَم حضرت علی مرتضیٰؓ کو عطا فرمایا۔ مسلمانوں کا لشکر مدینہ منورہ سے خیبر کی طرف روانہ ہُوا۔ یہ بات حضور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی ہجرت سے سات برس بعد کی ہے۔ مسلمانوں کا یہ لشکر اس جوش و خروش سے آگے بڑھ رہا تھا کہ جدھر سے یہ لشکر گزرتا تھا، کافروں اور مشرکوں کے دِل لرز جاتے تھے۔ جب اسلامی لشکر خیبر کے قریب پہنچا تو نماز مغرب کا وقت ہونے کو تھا۔ حضور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا کہ ٹھہر جاؤ۔ پھر آپؐ نے یہ دُعا مانگی۔ "یا اللہ! ہم تجھ سے اس بستی کی تمام چیزوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور ان سب کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔"

حضورؐ کی یہ عادت تھی کہ جب نئی جگہ تشریف لے جاتے تھے تو وہاں پہنچ کر دُعا مانگتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہو گیا تو نماز باجماعت ادا کی اور رات وہیں بسر کی، کیونکہ آنحضرتؐ رات کے وقت حملہ کرنے کی اجازت نہیں دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حضورؐ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم یہ چاہتے تھے کہ اگر بات چیت سے معاملہ طے ہو جائے، اور یہودی اسلام دُشمنی چھوڑ دیں تو مسلمانوں کا یہ لشکر واپس چلا جائے۔ لیکن دُوسرے دِن یہودیوں نے مسلمانوں کو بات چیت کا موقع ہی نہیں دیا اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اُس وقت حضورؐ نے صحابہؓ کو جہاد کے لیے بڑھنے کا حکم دیا۔ ضروری اُمور کے متعلق نصیحتیں فرمائیں۔

خیبر کے پانچ قلعے صحابہ کرامؓ نے بہت جلد فتح کر لیے تھے لیکن چھٹا قلعہ قموص نامی آسانی سے فتح نہ ہو سکا۔ یہ قلعہ ایک نامی گرامی پہلوان کا مرکز تھا۔ پہلوان کا نام مرحب تھا۔ جب بیس دن مُسلمان اس قلعے کو نہ جیت سکے تو ایک دن شام کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے فرمایا: "کل میں ایک خاص عَلَم اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر خُدا فتح دے گا اور جو خدا اور خدا کے رسُولؐ کو چاہتا ہے اور خدا اور خدا کا رسُولؐ بھی اس کو چاہتے ہیں۔" آپؐ کا یہ ارشاد سُن کر ہر صحابیؓ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہُوئی کہ یہ سعادت اُسے

حاصل ہو۔ یہ رات نہایت اُمیدوں اور انتظار کی رات تھی۔ سب نے یہ تمام رات بیقراری میں گزاری کہ دیکھیے یہ عزت صُبح کِسے نصیب ہوتی ہے۔ صبح کو مسلمانوں نے حضورؐ کی یہ آواز سُنی کہ علیؓ کہاں ہے؟ رسولِ مقبولؐ کی آواز سُنتے ہی حضرت علیؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ اُس وقت حضرتِ علیؓ کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔ حضورؐ نے اپنا لعاب دہن اُن کی آنکھوں میں لگایا تو ساری تکلیف فوراً دُور ہوگئی اور آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنی طرف سے عَلَم عنایت فرمایا اور فتح کی دُعا کی اور نصیحت فرمائی کہ یہودیوں کو نرمی سے اسلام کی دعوت دینا۔ اگر ایک شخص بھی اِسلام لے آئے تو یہ سُرخ اُونٹوں کے مِلنے سے بہتر ہے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ قلعے کے نزدیک پہنچے تو مرحب آپ کے مقابلے میں آیا۔ آپ نے اُسے اسلام کی دعوت دی۔ اُس نے جواب میں یہ رجز پڑھے۔ "خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہُوں، دلیر ہوں، تجربہ کار ہُوں، اور ہتھیار باندھ کر آیا ہوں۔" حضرت علی مرتضیٰؓ نے جواب میں فرمایا۔ "میں وہ ہُوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا۔ میرا حملہ شیر کی طرح ہیبت ناک ہے۔" مرحب نے حملہ کیا تو حضرت علیؓ نے جواب میں اِس زور سے تلوار ماری جو مرحب کو کاٹتی ہُوئی اُس کے دانتوں تک اُتر گئی۔ اور یُوں غرور کے اِس پُتلے کا تکبّر خاک میں مل گیا۔ مرحب کے مارے جانے پر یہودی مل کر حضرت علی مرتضیٰؓ پر ٹوٹ پڑے مگر اُن کا بال بیکا نہ کرسکے اور یہ قلعہ بھی فتح ہوگیا۔ اس معرکے میں ۹۳ یہودی مارے گئے اور ۳۵ مسلمان شہید ہُوئے۔ فتح کے بعد خیبر کا پُورا علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔ یہودیوں نے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضے میں رہنے دی جائے۔ ہم پیداوار کا نصف حصّہ مسلمانوں کو ادا کریں گے۔ یہ درخواست حضورؐ نے منظور فرمائی اور مسلمانوں کا لشکر فاتح و منصُور ہوکر آنحضرتؐ کے ساتھ مدینہ منوّرہ لوٹ آیا۔

فتحِ مکّہ

معاہدۂ حدیبیہ کے بعد بمشکل دو سال امن سے گزرے لیکن قریش کو یہ امن پسند نہ آیا۔ اُن کے حلیف قبیلے بنو بکر نے مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلے بنو خزاعہ پر ایک رات اچانک حملہ کر دیا۔ قریش کو چاہیے تھا کہ بنو بکر کو روکتے مگر اُنھوں نے بنو بکر کو روکنے کی بجائے انھیں جان و مال سے پُوری پُوری مدد دی اور مُسلمانوں کے حلیف

قبیلے بنو خزاعہ کو بے حد نقصان پہنچایا۔ قریش کی یہ حرکت صُلح حدیبیہ کی کھُلی خلاف ورزی تھی۔ حضور اکرمؐ نے ایک قاصد مکّہ مکرمہ بھیجا اور قریش کے سامنے چند شرطیں پیش کیں۔ قریش نے گھمنڈ میں آکر صُلح حدیبیہ کو توڑنے کی شرط قبول کی۔ یہ واقعہ ۸ ہجری کا ہے۔ حضورؐ نے قریشِ مکّہ کے اِس اعلان کے بعد دس ہزار مجاہدین کا لشکر تیار کیا اور مکّہ کی جانب کوُچ فرمایا۔ مجاہدین کی شان و شوکت، رُعب اور دبدبے کو دیکھ کر قریش کو مقابلہ کی جرأت نہ ہوُئی۔ ابوسفیان جو مسلمانوں کا پُرانا دشمن تھا۔ اس اسلامی فوج کا جلال دیکھ کر دَم بخودِ رہ گیا اور مقابلے کی بجائے اُس نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا اور اس طرح مکہ بغیر جنگ کے فتح ہو گیا۔ مکّہ میں داخل ہوتے وقت رحمتِ عالمؐ نے فرمایا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے، حرم میں چلا جائے یا اپنا دروازہ بند کرلے تو اُس کو امان حاصل ہوگی۔

اس کے بعد حضورِ اکرمؐ بیتُ اللہ میں تشریف لے گئے جہاں بہُت سے بُت تھے۔ حضورؐ نے بُتوں کو توڑنا شروع کیا۔ آپؐ بُت توڑتے جاتے اور فرماتے۔ "حق آگیا اور باطل مِٹ گیا۔ بے شک باطل مِٹنے ہی کے لیے ہے"۔ آپؐ نے حضرت عمرِ فاروقؓ سے ارشاد فرمایا کہ دیواروں پر بنی ہوُئی تصویریں ہٹا دو۔ اُنھوں نے وہ تصویریں مٹا ڈالیں۔ پھر آپؐ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو بُت توڑنے کا حکم دیا تو اُنھوں نے بُت توڑ دیے۔

اِس کام سے فارغ ہوکر آپؐ نے مکّہ والوں کو جمع کیا اور اُن سے پوُچھا۔ "تم مجُھ سے کِس سلوک کی توقع رکھتے ہو؟" وہ یک زبان ہوکر بولے "آپؐ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں"۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ "جاؤ تمھارے قصوُر مُعاف کیے۔ تم سب آزاد ہو"۔ اِس کے بعد حضورؐ نے مشترکہ اجتماع سے خطاب کرتے ہوُئے تقریر فرمائی۔ "لوگو! اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اللہ کی خُدائی میں کوئی شریک نہیں۔ اُس نے اپنا وعدہ سچّا کیا، اپنے بندوں کی مدد کی اور کافروں کے تمام لشکروں کو شکست دے دی۔ آج کفر کے سارے فخر و غرُور، خوُن کے پُرانے رشتے، جاہلیت کے پُرانے دعوے میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ آدمؑ کی ساری نسل برابر ہے۔ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔ تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ نیک اور پرہیزگار ہے"۔

فتح مکّہ کے بعد کفر و شرک کا زور ٹوٹ چکا تھا اور حجاز کے قریبًا سبھی لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ جن صوبوں میں ابھی تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی تھی وہاں حضورؐ نے اپنے مخلص صحابہ کرامؓ کو تبلیغ کے لیے بھیجا اور تھوڑے ہی عرصے میں یہ صوبے بھی اسلام کی برکتوں سے مالا مال ہو گئے۔

غزوۂ تبوک

رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اسلام پھیلانے کی کوششوں میں لگے ہُوئے تھے، خبر ملی کہ شام کے عیسائی حاکم نے رومیوں کی مدد سے شام کی سرحد پر فوجیں جمع کرنا شروع کر دی ہیں تاکہ مدینہ منوّرہ پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ یہ سُن کر حضورؐ نے احتیاط کے طور پر جہاد کی تیاری کا حکم فرمایا اور مُسلمانوں سے جانی اور مالی امداد طلب فرمائی۔ اُس وقت مُسلمانوں نے بڑی قربانی دی۔ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ نے دو سو اوقیہ (تقریبًا ترانوے کلوگرام) چاندی اور دو سو اُونٹ پیش کیے۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنے گھر کا آدھا سامان لے آئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے گھر کا سارا سامان پیش کر دیا تو آنحضرتؐ نے پوچھا، "ابوبکرؓ! تم گھر والوں کے لیے بھی کُچھ چھوڑ آئے ہو؟" اُنھوں نے جواب دیا، "یا رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم، وہاں تو اللہ اور اُس کے رسُولؐ کا نام چھوڑ آیا ہوں۔" دُوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی دل کھول کر مالی امداد فرمائی۔

۹ ہجری میں آنحضرتؐ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ منوّرہ سے روانہ ہُوئے۔ جانے سے پہلے آپؐ نے حضرت علیؓ کو مدینے کا نگران مقرّر کیا اور فرمایا کہ "تم کو مُجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" اسلامی لشکر تبوک کے مقام پر پُہنچ گیا جو مدینہ منوّرہ اور دمشق کے درمیان واقع ہے۔ اِس لیے اس غزوہ کو غزوۂ تبوک کہتے ہیں۔ یہاں پُہنچ کر معلُوم ہُوا کہ رومیوں کے حملے کی خبر صحیح نہ تھی۔ البتہ شام کا عیسائی حاکم اسلام کی تبلیغ روکنے کے لیے بھاگ دوڑ ضرور کر رہا تھا۔ مسلمانوں کی یہ فوج بیس دن تک مقامِ تبوک میں ٹھہری رہی لیکن کوئی مقابلہ نہ ہُوا۔ آخر حضور اکرمؐ نے واپسی کا حکم دیا کیونکہ مسلمان بلا وجہ جنگ و جدل کرنا نہیں چاہتے تھے۔ تبوک کی اس مہم کا سرحدی علاقوں

پر گہرا اثر ہُوا اور چھوٹی چھوٹی عرب عیسائی ریاستیں جزیہ دینے اور حضور سرورِ کائنات صلّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے زیرِ سایہ رہنے پر تیار ہو گئیں۔ اِس کے عِلاوہ مسلمانوں کو جنگِ تبوک کی تیاری سے اندازہ ہو گیا کہ وہ روم اور ایران جیسی حکومتوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

حجۃُ الوداع

ذی قعدہ ۱۰ہجری میں ہر طرف منادی کرائی گئی کہ حضور اکرمؐ اِس سال حج کے ارادے سے مکّہ معظمہ تشریف لے جائیں گے۔ یہ خبر سُنتے ہی مُسلمان اس سعادت کو حاصل کرنے کے لیے جمع ہُوئے اور مکّہ معظمہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ حضور اکرمؐ ذی الحجہ کی پانچ تاریخ کو مکّے میں داخل ہُوئے۔ کعبۃ اللہ نظر آیا تو فرمایا۔ "یا اللہ اس گھر کو عزت اور شرف دے۔" پھر کعبہ کا طواف فرمایا۔ دو رکعت نماز ادا کی۔ ۹ ذی الحجہ کو صُبح کی نماز پڑھ کر منیٰ سے روانہ ہوگئے۔ عام مسلمانوں کے ساتھ عرفات پر ٹھہرے۔ دوپہر ڈھل گئی تو اپنی اونٹنی پر، جس کا نام قصوٰی تھا، سوار ہو کر میدان میں آئے اور اُونٹنی پر بیٹھے بیٹھے خُطبہ دیا، جو پُوری اِسلامی تعلیمات کا خلاصہ اور مسلمان کی زندگی کے لیے دستورُ العمل ہے۔ ۲۲ برس پہلے حضورؐ اکرمؐ نے اِسی مقام سے اسلام کی دعوت شرُوع کی تھی تو چند ساتھیوں کے سوا، اللہ کے سامنے کِسی کی گردن نہ جُھکی تھی۔ اور اس وقت کوئی ڈیڑھ لاکھ کے لگ بھگ پاک دل، پاک صفات اور اعلیٰ اخلاق والے مسلمانوں کی گردنیں اللہ کے حضور میں جُھکی ہُوئی تھیں۔ اور اللہ اکبر کا نعرہ ذرّے ذرّے سے بلند ہو رہا تھا۔ جب واپس ہونے لگے تو دائیں بائیں، آگے پیچھے، مُسلمانوں کا ہجوم تھا۔ حضورؐ نے اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا۔ نبوّت کے بائیس سالہ واقعات نگاہوں کے سامنے تھے اور اب ایک نئی شریعت، نئے نظامِ حکومت اور بنی نوعِ انسان کے ایک نئے دور کا آغاز تھا۔ اس عالم میں حضور اکرمؐ نے فرمایا۔ "تمھاری جان، تمھارا مال اور تمھاری عزّت، آپس میں ایک دُوسرے کے لیے اسی طرح عزّت کے قابل ہیں جیسے آج کا دن، یہ جگہ اور یہ مہینہ محترم ہیں۔ یاد رکھو! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دُوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ تُم سب کو خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تُم سے تمھارے اعمال کی بابت پُوچھے گا۔ اگر تم پر ایک نکٹا حبشی غلام بھی سردار بنا دیا جائے۔ خدا کی کتاب کے مُطابق تُم کو لے چلے تو اُس

کی اطاعت کرنا، پروردگار کی عبادت کرنا، پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، اور میرے حکموں کو ماننا۔ پس تم اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤگے۔"

حج کی دوسری عبادات سے فارغ ہوکر ۱۴ ذی الحجہ کو سب لوگ اپنے اپنے وطن کے لیے تیار ہوگئے اور حضور اکرمؐ نے مہاجرینؓ اور انصارؓ کے ساتھ مدینہ کا رُخ فرمایا۔

وِصال

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد آنحضرتؐ کا وصال ہُوا۔ ہجرت کا گیارہواں سال تھا، صفر کے مہینے کے کچھ دن باقی تھے کہ محبوبِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سرِمبارک میں درد شروع ہوگیا اور ساتھ ہی بخار بھی ہُوا۔ بیماری روز بروز بڑھتی گئی۔ جمعرات کے دِن آنحضرتؐ نے مسجد نبویؐ میں صحابہؓ کے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا۔"اے لوگو! میرا وقت قریب ہے۔ میرے ذمّے کسی کا حق ہو تو چکا لے۔ اگر میں نے کسی کا حق مارا ہو تو آئے اور مجھ سے بدلہ لے۔ اگر میں نے کسی کی ہتک کی ہو تو اس کا بھی بدلہ لے لے۔ میری طبیعت اور میری شان بُغض اور کینے سے بلند ہے۔ تم سے پہلی قومیں انبیاؑ اور اولیا کی قبروں کو سجدے کیا کرتی تھیں۔ تم ایسا نہ کرنا۔" اُسی روز عِشا کے وقت حضورؐ کی طبیعت اس قدر ناساز ہوگئی کہ نماز کے لیے مسجد میں نہ جا سکے۔ نماز کی امامت حضرت ابوبکر صدّیقؓ کے سپُرد ہوئی۔

بیماری کے دوران ایک دن اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو بلایا اور اُن کے کان میں کچھ کہا اور وہ رونے لگیں۔ اس کے بعد پھر اُن کے کان میں کچھ کہا تو وہ خوش ہوگئیں۔ چند دن بعد حضرت عائشہؓ نے حضرت فاطمہؓ سے دریافت کیا تو اُنھوں نے فرمایا،"حضورؐ نے پہلی مرتبہ مجھے اپنے اِنتقال کی خبر سُنائی تو میں رو دی۔ پھر دوسری مرتبہ حضورؐ نے فرمایا،"میرے خاندان میں سب سے پہلے تم جنّت میں مجھ سے ملاقات کروگی۔ تم جنّتی عورتوں کی سردار ہوگی۔" میں یہ الفاظ سُن کر خوش ہوگئی۔"

آخری دن:۔ عام روایت کے مطابق ۱۲ ربیع الاوّل پیر کے روز صبح کے وقت آنحضرتؐ کے مرض میں کچھ کمی ہوئی۔ آپؐ اُٹھے۔ صحابہ کرامؓ فجر کی نماز ادا کر رہے تھے۔ آپؐ نے

دروازے کا پردہ اُٹھا کر دیکھا اور تبسم فرمایا۔ صحابۂ کرامؓ کے دل خوشی سے لبریز ہوگئے۔ حضورؐ نے اس کے بعد پردہ ڈال دیا۔ صحابہؓ نے خیال کیا کہ حضورؐ کو اب کچھ آرام ہے، لیکن اُسی دن بیماری پھر بڑھ گئی۔ دوپہر کے قریب بخار تیز ہو گیا۔ پانی کا ایک برتن پاس دھرا تھا۔ حضورؐ اپنا ہاتھ اُس میں ڈالتے اور چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے۔ آپؐ پر ایک چادر تھی۔ بخار کی تیزی میں اُسے بار بار اپنے چہرۂ مبارک سے ہٹاتے اور پھر ڈال لیتے تھے۔ نماز، زکوٰۃ اور غلاموں کے بارے میں آپؐ نے بہت تاکید فرمائی۔ یہی آپؐ کی آخری وصیت تھی۔ بار بار اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے۔ آخری الفاظ یہ تھے:

اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی

(اے اللہ! اے عالی شان والے رفیق)

یہ الفاظ زبان پر تھے کہ آپؐ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ وصال کے وقت عمر مبارک قریباً تریسٹھ برس تھی۔ آپؐ کے وصال کی خبر سے تمام مسلمانوں کو حد درجہ غم ہوا۔ تدفین سے پہلے حضور اکرمؐ کی زیارت کے لیے مسلمان جوق در جوق آتے تھے اور درود پڑھتے ہوئے حجرۂ مبارک سے گزر جاتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ غسل اور تکفین کے فرائض حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت عباسؓ نے انجام دیے۔ آپؐ کی قبر مبارک اسی جگہ بنائی گئی جہاں آپؐ نے وصال فرمایا تھا۔ یہ اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ کا حجرہ تھا جو مسجد نبویؐ سے بالکل ملا ہُوا تھا۔

اخلاقیات

فضول خرچی اور بُخل سے پرہیز

دولت بڑی مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔ ہر آدمی محنت و مشقّت کر کے پیسہ کماتا ہے۔ مزدور ہو یا کارخانہ دار، کِسان ہو یا زمیندار یا تاجر، دولت حاصل کرنے کے لیے ہزار جتن کرتا ہے۔ پھر اُسے اپنی ضرورتوں میں خرچ کرتا ہے۔ کاہل اور سُست انسان دولت نہیں کما سکتا۔ اسی طرح جو شخص ضرورتوں کا خیال رکھے بغیر پیسہ خرچ کر دے، وہ ہمیشہ محتاج رہتا ہے۔ اس لیے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی لا" انسان کو اُس کی کوشش کے مطابق ہی مِلتا ہے۔ اللہ کی اس دین اور محنت کے پھل کو ضائع کرنا عقل مندی نہیں ہے۔ خواہ مخواہ ضرورتوں کو بڑھانا یا کھیل تماشے اور دکھاوے کے لیے یا بلا ضرورت، بے مقصد سگریٹ نوشی اور نشہ آور اشیا پر پیسہ خرچ کرنا فضول خرچی اور گناہ ہے۔ قرآن مجید نے فضول خرچی کی بڑی مذمّت کی ہے اور فضول خرچ کو شیطان کا بھائی کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روپے پیسے کو خرچ کرنے کا کیا اچّھا اور سچّا اصُول سمجھایا ہے کہ نہ کنجوسی کرو اور نہ بے جا خرچ کرو، ورنہ ملامت اور حسرت کے ساتھ بیٹھنا پڑے گا۔ عقل مند آدمی ہمیشہ پیسہ سوچ سمجھ کر خرچ کرتا ہے۔ بے دریغ دولت لُٹانے سے بچتا ہے۔ لہٰذا مُصیبت کے دن اور دُوسرے حاجت مند بھائیوں کی مدد کے وقت شرمندگی نہیں اُٹھاتا۔

فضول خرچی کی طرح پیسہ روک کر رکھنا اور دولت جمع کرنے کی دُھن میں لگے رہنا، نہ خُود کھانا اور نہ دوسروں کو کھلانا بُخل ہے۔ بُخل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ضرورت کے وقت بھی روپے پیسے کو عزیز رکھے۔ غریب اور ضرورت مند کی مدد نہ کرے۔ اپنی صحت اور لباس کو خراب رکھے، مگر پیسہ جمع کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے مال جمع کرنے، ہر وقت اُس کو گِننے اور شمار کرنے، دولت کا لالچ کرنے والے آدمیوں پر نفرین کی ہے اور فرمایا۔ کیا دولت جمع کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ اُس کا مال اُس کو ہمیشہ رکھے گا اور کبھی ختم نہ ہو گا۔ نہیں ایسے لوگ جہنّم میں ڈالے جائیں گے۔ اصل میں بُخل بہت بُری عادت ہے۔ اس سے ہمیشہ بچنا چاہیے اور رسُول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمان پر عمل کرنا چاہیے کہ "مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ" وہ شخص کبھی محتاج نہیں ہو سکتا جو درمیانہ راستہ اختیار کرے۔ فضُول خرچی اور بُخل سے پرہیز کرے۔

سخاوت کا مفہوم اور فضیلت

سخاوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اللہ کی رضا اور قربت حاصل کرنے کے لیے ضرورت مندوں کی جس طرح بھی ممکن ہو، مدد کرے۔ بدلے کی خواہش نہ رکھتا ہو اور نہ دکھاوے کا خیال ہو۔ ہمارے بہت سے بزرگوں کی سخاوت کے حالات بھی مشہور ہیں۔ اِس سلسلے میں اُم المؤمنین حضرت خدیجہؓ کا نام سب سے پہلے آتا ہے۔ آپ عرب کی سب سے زیادہ مال دار خاتون تھیں لیکن آپ کی ساری دولت اسلام کی تبلیغ اور مسلمانوں کی بھلائی میں خرچ ہوئی۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی کثیر رقم حضورؐ کی خدمت میں پیش کی اور اسلام کی عظمت کے لیے خرچ کی۔ حضرت عثمان غنیؓ کی سخاوت اور فیاضی تاریخِ اسلام کا ایک روشن باب ہے۔ آپ نے اپنی دولت کو اسلام اور مسلمانوں کی ترقی اور بہبود کے لیے جی کھول کر خرچ کیا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ محنت مزدوری کر کے جو کچھ کماتے تھے، اُس کا بڑا حصہ غریبوں، محتاجوں، بیواؤں اور یتیموں کی مدد میں خرچ کر دیتے تھے۔ حضرت امام زین العابدینؒ جو اولیاء اللہ میں بڑا درجہ رکھتے ہیں، ہر روز رات کو کھانے کا سامان پیٹھ پر لاد کر نکلتے تھے اور مسکینوں کے دروازوں پر جا جا کر تقسیم کرتے تھے۔ جب حضرت امام زین العابدینؒ کا وصال ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ کی پُشت مبارک پر اس بوجھ کی وجہ سے نشانات پڑ گئے تھے۔

ہمیں چاہیے کہ انسانی برادری کے ہر فرد کی ضرورت کو اپنی ضرورت تصوّر کریں اور فضول خرچی سے بچتے ہوئے جتنا بھی کسی حاجت مند کو دے سکتے ہیں، دیتے رہیں۔

حقوق العِباد (بندوں کے حقوق)

اللہ تعالیٰ نے ہماری بھلائی کے لیے طرح طرح کی ہدایتیں دی ہیں جن پر عمل کرنا ہمارا فرض ہے۔ اِن ہدایتوں میں بندوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم بڑا اہم ہے۔ اِس سلسلے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ تیرے ربّ نے حکم دیا ہے کہ تم اُس کے سوا کسی

کی عبادت نہ کرو، والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔" اسی طرح دوسری جگہ حکم دیا ہے "اور تم سب اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔ اور پڑوسی، رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایے سے بھی، قریب ترین ساتھی سے اور مسافروں اور لونڈی غلاموں سے (جو تمھارے قبضے میں ہیں) احسان کرو۔ اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو پسند نہیں کرتا جو مغرور اور شیخی خورہ ہو اور ایسے لوگوں کو بھی پسند نہیں کرتا جو کنجوسی کرتے اور دوسروں کو بھی کنجوسی کی ہدایت کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اپنے فیض سے اُنھیں دیا ہے، اُس کو چھپاتے ہیں۔"

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تو اپنی عبادت کا حکم فرمایا ہے۔ اس کے بعد ترتیب وار لوگوں کے ساتھ اچھے سلوک کا حکم دیا ہے۔ والدین، قریبی رشتہ دار، یتیم، مسکین، پڑوسی، اجنبی، ہمسایہ، ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والے دوست اور رفیق، مسافر اور لونڈیاں ان سب سے جہاں تک ہو سکے اچھا برتاؤ کرو۔

جو لوگ اس حکم پر عمل نہیں کرتے انھیں بخیل فرمایا اور عذاب سے ڈرایا ہے۔" پس قرابت دار، مسکین اور مسافر کو اُس کا حق دو۔ یہ اُن لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔" ہر شخص کے مال میں قرابت دار محتاج، مسکین اور مہمان کا حق ہوتا ہے، اِس لیے اُن کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ ہمارے نبی کریمؐ بڑے ہی فیاض تھے۔ ایک دفعہ ایک کافر کہیں سے آکر آپؐ کا مہمان ہُوا۔ آپؐ نے ایک بکری کا دُودھ اُسے پلایا، وہ سب پی گیا۔ دُوسری بکری منگوائی۔ اُس کا دُودھ بھی پی گیا۔ اسی طرح سات بکریوں کا دُودھ پی گیا اور آپؐ سیر ہونے تک پلاتے رہے۔ کبھی تو ایسا بھی ہوتا کہ کوئی مہمان آتا تو گھر میں جو کچھ ہوتا حضورؐ اُسی کو کھلا دیتے اور خود فاقے سے رہ جاتے تھے۔ حضرت ثابتؓ ایک صحابی تھے۔ اُنھوں نے ایک دُوسرے صحابیؓ کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ وہ بھُوکے ہیں۔ رات کا وقت تھا۔ اُنھیں اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے کہا کہ ایک مہمان کو لایا ہُوں۔ بیوی نے کہا کہ "کھانا صرف اتنا ہے کہ آپ کے لیے کافی ہوگا۔" کہا۔" خیر، جب میں کھانا مہمان کے سامنے رکھوں تو تم چراغ کی بتی درست کرنے کے بہانے بجھا دینا۔" چنانچہ انھوں نے ایسا ہی

کیا۔ مہمان اندھیرے میں کھانا کھاتا رہا اور میزبان (حضرت ثابتؓ) خالی منہ چلاتے رہے۔ جیسے کھانا کھا رہے ہوں۔ یہاں تک کہ مہمان سیر ہو گیا۔

صُبح حضرت ثابتؓ حضورؐ کی مجلس میں حاضر ہُوئے تو حضورؐ نے فرمایا۔ "رات کی تمھاری مہمان داری اللہ تعالیٰ کو بہُت پسند آئی۔"

میانہ روی

کوئی بہُت چیخ کر بات کرے تو کتنا بُرا لگتا ہے۔ اسی طرح کوئی بہُت دِھیمی آواز سے بولے اور پوری بات ہی سمجھ میں نہ آئے تو اُس وقت بھی کتنی کوفت ہوتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہُت دھیمی اور بہُت اُونچی آواز غیر فطری چیز ہے۔ جو بات عام انسانوں میں معمول کے مطابق ہو اُسی کو سب پسند کرتے ہیں۔ حد سے بڑھ کر یا گھٹ کر جو بات یا کام کیا جائے اُسے کوئی پسند نہیں کرتا۔ ہر کام کو اعتدال سے کرنا میانہ روی ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں ہمارے سامنے ایسے بہت سے کام آتے ہیں جن میں لوگ درمیانی چال نہیں چلتے۔ کسی کو کھیل کا شوق ہے تو کھیلتے ہی چلا جاتا ہے۔ کتاب پڑھنے کی دُھن ہے تو ہمہ وقت کتاب ہی ہاتھ میں ہے۔ اس طرح کے سارے کام افراط کہلاتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں دُوسری صورت یہ ہے کہ ایک ایسا طالب علم ہے جو اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی کھیل یا تفریح میں نہیں لگاتا۔ یا کسی وقت بھی پڑھنے کے لیے کتاب نہیں اُٹھاتا۔ ایسی ساری باتوں کو تفریط کہتے ہیں۔ افراط و تفریط یا زیادتی اور کمی اچھی بات نہیں۔ بات وہی دل کو لگتی ہے جس میں میانہ روی ہو۔ آنحضرتؐ نے بھی یہی حکم دیا ہے کہ سب کاموں میں درمیانی چال اختیار کی جائے۔ چنانچہ فرمایا۔ "خَیرُ الاُمُورِ اَوسَطُھَا" کہ تمام معاملات میں اُن کی درمیانی صُورت اختیار کرنا ہی سب سے اچھا ہے۔

عَدل اور اِحسان

جو شخص دو آدمیوں کے جھگڑے کا فیصلہ کرنے میں اپنے پرائے یا دوست دُشمن کا فرق کرتا ہے، اُسے لوگ بے اِنصاف کہتے ہیں۔ فیصلہ کرنے میں حق اور ناحق کا خیال

رکھنا بہت ضروری بات ہے، چاہے اُس سے اپنے کسی عزیز دوست کو فائدہ پہنچے یا اُس کا نقصان ہو جائے۔ اِس قسم کے فیصلہ کرنے کو عدل یا اِنصاف کہتے ہیں۔ اِنصاف کرنے والے شخص کو اپنے بھی اچھا کہتے ہیں اور غیر بھی۔ جو شخص اِنصاف سے کام نہیں لیتا اُسے اپنے بھی بُرا کہتے ہیں اور بیگانے بھی۔

مہذب مُلکوں کے لوگ اور خصوصاً حُکام، مقدمات کا فیصلہ کرتے وقت عدل کا قدم قدم پر خیال رکھتے ہیں اور جو کام عدل کے خلاف ہو اُسے اپنی شان اور اپنے عہدے کے خلاف سمجھتے ہیں۔ کیونکہ عدل کی ضِد ظُلم ہے۔ ظُلم کرنے والا ظالم کہلاتا ہے۔ بھلا یہ کون پسند کرے گا کہ اُسے ظالم کہا جائے۔ دُنیاوی نُقطۂ نظر کے عِلاوہ اِسلامی اصُولوں کے مُطابق بھی عدل کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ آنحضرتؐ انصاف کے مُعاملہ میں امیر، غریب اور اپنے اور غیر میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ کوئی قریش عورت چوری کے جُرم میں پکڑی گئی۔ حضورؐ کے سامنے معاملہ پیش ہُوا تو آپؐ نے اُس کا ہاتھ کاٹنے کا حُکم دیا۔ اُس عورت کے ہمدردوں نے خوشامد وغیرہ کر کے حضرت زیدؓ کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ کو حضورؐ کی خِدمت میں سفارشی بنا کر بھیجا۔ عام طور پر خیال کِیا جاتا تھا کہ حضورؐ اُن کی سفارش مان لیں گے۔ جب حضرت اسامہؓ نے سفارشی کلمات زبان سے نکالے تو حضورؐ نے آپ کو ڈانٹا اور سخت ناراض ہُوئے اور صحابۂ کرامؓ کو جمع کر کے ایک خُطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ "لوگو! پُرانی قومیں اِسی وجہ سے برباد ہُوئیں کہ جب اُن میں سے کوئی بڑا آدمی جُرم کرتا تھا تو وُہ اُس کے جُرم سے چشم پوشی کرتے تھے اور جب کِسی چھوٹے آدمی سے کوئی خطا سرزد ہوتی تھی تو اُسے سخت سے سخت سزا دی جاتی تھی"۔ ہمیں چاہیے کہ معاملات میں عدل سے کام لیں۔ جس کام کو جس طرح پُورا کرنا چاہیے، اُس کو اُسی طرح پُورا کیا جائے۔

اِسی طرح ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے کہ دنیا کا ہر معاملہ احسان سے نمٹائے۔ احسان کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کے بندوں کے ساتھ ہر معاملہ میں نیکی اور خالص خدا کی رضا کے لیے اچھا برتاؤ کرے۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

مساوات

اسلام کی ایک بڑی خصوصیت اُس کی یہ تعلیم ہے کہ دُنیا کے سارے انسان حضرت آدم علیہ السّلام کی اولاد ہیں اس لیے اس کی نظر میں آقا اور غُلام، چھوٹا اور بڑا،

امیر اور فقیر سب برابر ہیں۔ اُس کے سامنے صرف ایک چیز ہے جس کے ذریعے وہ درجوں اور مرتبوں میں فرق کرتا ہے اور وہ چیز ہے برائیوں سے بچ کر نیک عمل کرنا۔

انسانی مساوات کے متعلق حضورؐ کا یہ ارشاد بہت مشہور ہے کہ انسان سب کے سب آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنا تھا۔ اس طرح اسلام نے رنگ، نسل، زبان اور رہن سہن کے طریقوں کے فرق کو ختم کر دیا۔ تمام طبقوں کے حقوق مقرر فرمائے، جس میں عورت، مرد، مزدور، کارخانہ دار، مالک اور مزارع سبھی شامل ہیں۔ البتہ درجوں میں اگر کوئی فرق ہے تو وہ نیکی اور تقویٰ کی وجہ سے ہے۔

ہمارے حضور نبی اکرمؐ جو تمام جہان کے آقا اور سردار ہیں، اپنے لیے امتیاز پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک سفر میں کھانا پکانے کے لیے صحابہؓ نے آپس میں کام تقسیم کیے۔ حضورؐ نے فرمایا، "جنگل سے لکڑیاں لانے کا کام میں کروں گا۔" صحابہؓ نے عرض کیا، "حضورؐ! آپؐ پر ہمارے ماں باپ قربان، آپؐ یہ کام کیوں کریں۔ ہم حاضر ہیں" فرمایا، "میں اپنے ساتھیوں میں رہ کر امتیاز پسند نہیں کرتا۔"

اسی طرح غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کھودنے کی باری آئی تو حضورؐ بھی اس کام میں شریک ہو گئے۔ چہرۂ مبارک اور جسم اطہر دھول مٹی سے اٹ رہا تھا۔ ایک جگہ سخت چٹان آ گئی۔ صحابہؓ نے بڑی محنت کی لیکن نہ ٹوٹی تو حضورؐ نے فرمایا، "اسے میں توڑوں گا۔" پھر اس پر کدال کی ایسی ضرب لگائی کہ چٹان ٹوٹ گئی۔

کوئی سربراہِ مملکت ایک عام آدمی کی طرح عدالت میں حاضر ہو جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ ایک مقدمے میں فریق کی حیثیت سے عدالت میں گئے۔ جب قاضی نے خلیفۂ وقت کو دیکھا تو اُٹھ کھڑا ہُوا۔ حضرت عمرؓ نے اس بات کو سخت ناپسند فرمایا اور کہا کہ "یہ پہلی بے انصافی ہے جو تم نے اس مقدمے میں کی۔" یہ کہہ کر آپ دُوسرے فریق کے ساتھ بَیٹھ گئے۔

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے دورِ حکومت کا ہے۔ جب آپ اپنی زرہ کی چوری کے سلسلے میں ایک یہودی کے مقابل انصاف طلبی کے لیے قاضی شریح کی عدالت میں تشریف لائے۔ قاضی نے آپ کو ابوتراب کہہ کر مخاطب کیا۔ یہ بات حضرت علی مرتضیٰؓ کو ناگوار گزری (کیونکہ کنیت سے پکارنا عزت و احترام کی علامت ہے) آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھے کنیت سے پکارا ہے حالانکہ یہ موقع مجھے ترجیح دینے کا نہیں۔"

قانون کا احترام

قانون اُن قاعدوں اور ضابطوں کو کہتے ہیں جن کے مطابق انسان زندگی گزار کر مہذب کہلاتا ہے۔ دیہاتی ہو یا شہری، پڑھا لکھا ہو یا غیر تعلیم یافتہ، انسان کسی نہ کسی قاعدے اور قانون کی پابندی کرتا ہے اور جہاں تک ہم مسلمانوں کا تعلق ہے، تو ہم مسلمان اس لیے کہلاتے ہیں کہ ہم زندگی کے کامیاب ترین قوانین کے مجموعہ اسلام کو تسلیم کرتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قانون دو طریقے سے راہنمائی کرتا ہے۔ ایک اچھائی کو پھیلاتا ہے اور دُوسرے بُرائی کو روکتا ہے۔ اسلام میں بھلائی کو معروف اور برائی کو مُنکر کہتے ہیں۔

ہماری ذمّہ داری مُسلمان کی حیثیت سے یہ ہے کہ تمام بُرائیوں سے باز رہیں اور تمام اچھائیوں کو حاصل کرنے کی کوشش کریں اور ساتھ ہی دُوسروں کو برائیوں سے روکیں اور اچھائیوں کی طرف مائل کریں۔ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ قانون کی پابندی سے عزّت ملتی ہے اور قانون توڑنے سے آدمی رسوا ہوتا ہے۔ مثلاً ہمارے یہاں سڑکوں پر گاڑیاں چلانے اور پیدل چلنے پھرنے کے قانون رائج ہیں۔ جو موٹر چلانے والا قانون کی پابندی کرتا ہے، نہ تو وہ کسی حادثہ کا شکار ہوتا ہے اور نہ کسی مقدمہ میں پھنستا ہے۔ لیکن جو ٹریفک کے قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ وہ خود بھی اکثر حادثوں کا شکار ہو کر ہاتھ پیر تڑوا بیٹھتا ہے اور مالی نقصان بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح منشیات کا استعمال اور کاروبار بھی اسلام اور مُلکی قانون کے تحت جرم ہے۔ اِس سے انسان کی جسمانی صحت برباد ہوتی ہے۔ وہ سنجیدگی اور اِنہماک و توجہ سے نہ حلال روزی کما سکتا ہے اور نہ دوسرے فرائض واعمال انجام دینے کے قابل رہتا ہے۔ منشیات کا عادی انسان معاشرے کا امن و سکون برباد کر دیتا ہے۔ اپنے خاندان کے لیے بھی اس کا وجود نہ صرف ایک بوجھ بن جاتا ہے، بلکہ ذلت و رسوائی اور پریشانی کا مُوجب بھی ہوتا ہے۔ مدرسہ اور سکول کے بھی کچھ قاعدے ہیں۔ ان قاعدوں کی پابندی ضروری ہے تاکہ طلبہ اچھے کار آمد شہری بن جائیں۔

مسلمانوں کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم یہ یاد رکھیں کہ ہمیں قانون دینے والا ہمارا خدا ہر وقت اور ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے اور وہ ہمیں ہر حالت میں دیکھ رہا ہے اور ہماری تمام باتوں اور ہمارے کاموں کے متعلق پوچھ گچھ کی جائے گی اور ہمیں اپنے عمل کا حساب دینا ہوگا۔ اس لیے ہمیں ایسی جگہ بھی قانون کا احترام کرنا چاہیے جہاں دنیا کا کوئی آدمی دیکھنے والا اور گرفت کرنے والا نہ ہو۔

تیار کردہ، وفاقی وزارتِ تعلیم حکومتِ پاکستان
بمطابق نوٹیفیکیشن نمبر F 5-11-74 TEXT مورخہ 15 جنوری 1975ء
منظور شدہ: محکمہ تعلیم حکومتِ بلوچستان کوئٹہ، بطورِ واحد نصابی کتاب برائے مدارس صوبہ بلوچستان
بمطابق نوٹیفیکیشن نمبر 58-9356 EDN II 76/1-10 مورخہ 6 اکتوبر سنہ 1976ء

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد — کشورِ حسین شاد باد
تو نشانِ عزمِ عالیشان — ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام — قوتِ اخوتِ عوام
قوم، ملک، سلطنت — پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مراد

پرچمِ ستارہ و ہلال — رہبرِ ترقی و کمال
ترجمانِ ماضی شانِ حال — جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذوالجلال

کوڈ نمبر: DVii/52 — سیریل نمبر

سال اشاعت	ایڈیشن	تعداد	قیمت
1998	اول	14000	4.90